© rasailojaraid.com

مطالعہ کتب

افریقہ: غیر ملکی امداد کی تباہ کاریاں

مسلم سجاد

(ماہنامہ World & I، مئی ۹۷ میں مائیکل مارین (Michael Maren) کی کتاب: Road to Hell پر کھانا کے' جارج آیے ٹی (George Ayittey) کے تبصرے: ہمدردگدھ (Compassionate Vultures) پر مبنی)۔

افریقہ گذشتہ کئی برسوں سے بحران در بحران کا شکار ہے۔ معیشت تباہ ہو رہی ہے اور ریاستیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ قتل و غارت' بھوک اور قحط کے ناقابل یقین مناظر نظروں کے سامنے آتے ہیں تو ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ بے قصور عوام کو استعمار سے آزادی کے یہ کڑوے کسیلے پھل کیوں مل رہے ہیں؟ برونڈی' ایتھوپیا' لائبیریا' روانڈا' صومالیہ' زائرے' ہر جگہ ایک ہی کہانی ہے۔ لکھوکھا پناہ گزین' عورتوں اور بچوں کے ہجوم کے ہجوم' دربدر ہیں۔ ان کے ملکوں میں خانہ جنگی ہے' لوٹ مار ہے' انتشار ہے' ظلم ہے۔ ان کی مدد اور نجات کے لیے مغربی ممالک کی ریلیف ایجنسیاں میدان میں آجاتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے خوفناک دلوں کو ہلا دینے والی تصاویر دکھا کر امداد کی اپیلیں کی جاتی ہیں۔ ایک تصویر میں ایک بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بچہ سڑک کے کنارے پڑا ہے' اس کے چہرے پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں اور قریب ہی چند گدھ اس کے مرنے کے انتظار میں چکر لگا رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ یہ بچہ' افریقہ کے مصائب کی علامت ہے اور گدھ' مغربی این جی اوز' اجناس کے امریکی تاجر' اسلحہ کے بیوپاری' اور خیراتی ادارے ہیں۔ پناہ گزینوں کی مدد کرو' بھوکوں کو کھانا کھلاؤ کے نعرے' دراصل منافع خوروں کے حقیقی مقصد کو ڈھانکنے والے مقدس لبادے ہیں' فاقہ کشوں اور ضرورت مندوں کی اپنی حیثیت ثانوی ہے۔ ان کی تفصیلات پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے۔ جب مغربی کینیا کے علاقے ترکانا میں قحط کی صورت حال پیدا ہوئی تو کیتھولک ریلیف سروس کے ڈائرکٹر نے خوشی کا اظہار کیا کہ اب ہمارے لیے اپنا کام بڑھانے کا موقع ہے!

دراصل امریکہ کے کاشت کار' حکومت سے زر تلافی حاصل کر کے جو فاضل غلہ پیدا کر رہے ہیں' اسے تقسیم کرنے کے لیے حکومت امریکہ امدادی ایجنسیوں کو رقم دیتی ہے۔ جتنی زیادہ خوراک یہ تقسیم کرتے ہیں' اتنی ہی زیادہ رقم امریکی حکومت سے ملتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیرونی امداد معاشی ترقی کے نام پر دی اور لی جاتی ہے، لیکن کیا اس سے فی الواقع معاشی ترقی ہوئی ہے؟ کینیا کے ایک سابق ممبر پارلیمنٹ، ڈیوڈ کارانجا کا کہنا ہے: "بیرونی امداد نے افریقہ کو اس سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے، جتنا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے افریقہ، اپنی ترقی کی سمت اور رفتار کا فیصلہ اپنی ترجیحات کے مطابق نہیں کر سکا ہے۔ آج افریقہ کے ترقیاتی منصوبے ہزاروں میل دور ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے دفاتر میں تیار کیے جاتے ہیں۔ جہاں کے ماہرین افریقہ کی حقیقی صورت حال سے نابلد ہوتے ہیں" (نیو امریکن، جون ۹۴، ص ۲۰)۔

Road to Hell کا مصنف بتاتا ہے کہ بیرونی امداد کے منصوبوں میں کام کرنے والے امریکی عموماً اس کے جیسے ناکام شادیوں اور ٹوٹے ہوئے خاندانوں کے نوجوان ہوتے ہیں۔ وہ خود کچھ عرصے کینیا میں استاد رہا، پھر جب کیتھولک ریلیف سروس کو منصوبہ: "کام کے بدلے غذا" شروع کرنے کے لیے ۹ لاکھ ڈالر کی گرانٹ ملی تو وہ اس کا پراجیکٹ ڈائرکٹر بنا دیا گیا۔ وہ بتاتا ہے کہ وہ زراعت، جنگلات، سڑکوں کی تعمیر، کنوؤں کی کھدائی، ڈیم کی تعمیر کی الف ب بھی نہ جانتا تھا لیکن ان منصوبوں کی منظوری دیتا تھا۔

جتنی تفصیلات میں جائیں، صورت حال خوف ناک تر ہوتی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ قابل نفرت تو فاقہ زدہ بچوں کو عطیات حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ امدادی کارروائیاں ایک صنعت کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں، جن میں مغربی خیراتی ادارے، غلے اور اسلحے کے تاجر اور امریکی قانون ساز مل بھگت کر کے منافع سمیٹتے ہیں۔

ماہرین کے مطابق: "یو ایس ایڈ کے ۸۰ فی صد ٹھیکے اور عطیات امریکی کمپنیوں کو دیے جاتے ہیں جو پھر انھیں ضرورت مند ممالک میں تقسیم کرتے ہیں۔ جب ایک ممبر کانگریس نے بیرونی امداد پر اعتراض کیا کہ یہ امریکی ٹیکس گزار کی رقم کو بیرونی چوہوں کے بل میں پھینکنے کے مترادف ہے تو یو ایس ایڈ کے ایک افسر نے جواب دیا: "یہ بل ان کا اپنا ڈسٹرکٹ بھی ہو سکتا ہے" (لاس اینجلز ٹائمز، اکتوبر ۹۵)۔

۱۹۹۳ میں امریکی این جی اوز کو یو ایس ایڈ سے ۱ء۹ ارب ڈالر ملے۔ ان رقومات کے سلسلے میں عموماً جواب دہی کا نظام نہیں ہوتا۔ نوکر شاہی کا پہلا اصول خود اپنے کو مضبوط کرنا ہوتا ہے، اس لیے رقومات کا بیشتر حصہ تنخواہوں اور کرایوں میں جاتا ہے۔ ایک خیراتی ادارے کے سربراہ کو ۲ لاکھ ڈالر معاوضہ اور ۲ ہزار ڈالر رہائشی الاؤنس دیے جاتے ہیں۔ ورلڈ بنک کے ایک سابق افسر کے مطابق: "بنک کے منصوبے عموماً سرکاری پروگرام کی حیثیت سے ہوتے ہیں جن میں چوری، رشوت اور کرپشن کے نت نئے طریقے رائج ہیں۔ نقد رقم سے کرپٹ حکمران طبقے کو تقویت ملتی ہے اور تباہ کن سوشلسٹ پالیسیاں جاری رہتی ہیں۔ اس طرح ورلڈ بنک دراصل کرپٹ، ظالم اور سفاک حکومتوں کا ساتھی بن جاتا ہے" (واشنگٹن ٹائمز، ۲۰ جون، ۱۹۹۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جنگ کے بعد امریکہ کا غلہ' مارشل پلان کے تحت یورپ گیا اور اس سے امریکی کاشت کاروں کے لیے خوش حالی کا دور آیا لیکن جب یورپ اپنی ضرورت خود پوری کرنے لگا' تو اب فاضل غلے کا کیا ہو؟ افریقہ' ایشیا اور لاطینی امریکہ کے ممالک کے پاس غلہ خریدنے کے لیے ڈالر نہیں تھے' روپے اور نائرے وغیرہ تھے۔ اس مسئلے کا حل' امریکہ نے پبلک لا ۴۸۰ نکالا۔ اس کا مقصد خود ہی صاف بیان کیا گیا ہے:

"امریکہ کی خارجہ پالیسی کو آگے بڑھانے کے لیے فاضل زرعی اجناس کا زیادہ سے زیادہ موثر استعمال"۔

یہ طریق کار وضع کیا گیا کہ زرعی اجناس کی نجی تجارت ہو' اور مقامی کرنسی قبول کی جائے' حکومت امریکہ اس کے بدلے ڈالر فراہم کر دے اور مقامی کرنسی متعلقہ ممالک میں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرے۔ جلد ہی پی ایل ۴۸۰' دودھ دینے والی گائے بن گیا۔ اس کو برقرار رکھنے کے لیے مضبوط لابی بن گئی۔ تاجر' این جی اوز اور ریلیف ایجنسیاں سب ہی کے مفادات اس سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کانگریس کے ایک ممبر نے کہا کہ ہر ڈالر امریکہ کی معیشت کی بہتری پر صرف ہوتا ہے اور ٹیکس میں اضافہ کرتا ہے۔ امریکہ کی جہاز راں کمپنیاں کیوں محروم رہتیں؟ ۱۹۹۲ میں کانگریس نے ایک ایکٹ منظور کیا جس کی رو سے ۷۵ فی صد اجناس امریکی جہاز راں کمپنیوں کے ذریعے جانا لازمی تھا۔ ان کے نرخ بازار سے ۲ سے ۳ گنا زائد تھے۔ اس کی وجہ سے کارگو کے اخراجات میں ۱۹۸۹ سے ۱۹۹۳ تک فی سال ۵۷۸ ملین ڈالر کا اضافہ ہوا۔ یعنی رقم واپس امریکہ پہنچنے لگی۔ مارین کے مطابق: "امریکی این جی اوز' فوج اور بحری دستوں کی طرح شروع سے امریکی خارجہ پالیسی کے آلات ہیں"۔

ان ماہرین سے اور اس امداد سے کینیا' صومالیہ' روانڈا اور زائرے کے شہریوں کو کیا حاصل ہوا؟ "مفت غلہ ٹنوں کے حساب سے آیا تو مقامی کاشت کار اپنے کام سے گئے۔ چند ہی این جی اوز نے مقامی ڈاکٹروں' انجنیروں یا دوسرے لوگوں کو ملازمت دی۔ عموماً باہر سے افراد لانے کو ترجیح دی۔ اقوام متحدہ نے بیرونی این جی اوز کو لاکھوں دیے جب کہ مقامی این جی اوز کو کام چلانا بھی مشکل رہا۔

افریقہ کے انسانی مصائب سے صرف امریکی این جی اوز ہی فائدہ نہیں اٹھا رہے تھے' اطالوی' برطانوی' فرانسیسی' کینیڈین کوئی بھی پیچھے نہ تھا۔ صومالیہ میں اقتصادی اور ہنگامی امداد کے ڈھیر لگ گئے۔ ایک بیان کے مطابق صومالیہ کو امداد کا قبرستان بنا دیا گیا۔ ایک اطالوی صحافی کے بیان کے مطابق: "اطالوی سوشلسٹوں نے صومالیہ میں کروڑوں ڈالر فراہم کر دیے اور چند استثنائی صورتوں کے علاوہ سب فضول اور بے کار منصوبے تھے" (واشنگٹن پوسٹ' ۲۴ جنوری ۱۹۹۳)۔

۱۹۸۱ سے ۹۰ کے درمیان' ایک ارب ڈالر کے ۱۱۴ منصوبوں کے لیے اطالوی تعمیراتی اور انجنیرنگ کمپنیوں کو ٹھیکے دیے گئے جنھوں نے روم میں حکمرانوں کو رشوتیں دیں۔ صومالیہ کے سابق صدر سعید بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے امداد سے اسلحہ خرید کر اپنے ہی عوام سے جنگ کی۔ اس کے بیٹے کرنل حسن محمد بارے نے جس کے ہاتھ میں امداد کی رقوم آتی تھیں، سوئٹزرلینڈ میں جایداد اور بنک بیلنس بنائے۔ صومالیہ میں ہر طرح کے مظالم اور آمریت کے باوجود اٹلی سعید بارے کی مکمل حمایت کرتا رہا۔ جب حزب اختلاف کے ایک ممبر نے اسمبلی میں کہا کہ اٹلی آمروں کی سرپرستی کر رہا ہے تو وزیر خارجہ نے کہا: "اگر ہم آمروں کا ساتھ چھوڑ دیں تو افریقہ میں کوئی ملک تعاون کرنے کے لیے نہ بچے گا"۔ جب ۱۹۹۱ میں صومالیہ میں بحران پیدا ہوا تو این جی اوز کا ہجوم صومالیہ میں اُمڈ آیا۔ کیوں؟ امدادی رقم موجود تھی اس لیے وہ آئے۔ حکومت کے لیے اس میں خوب فائدہ تھا۔ زیادہ این جی اوز کا مطلب موگا دیشو میں زیادہ صدر دفاتر اور شہر کے زیادہ تر اعلیٰ مکانات، سعید بارے کے رشتے داروں اور اعلیٰ سرکاری افسروں کے تھے۔ دوسرے شہروں میں بھی غیر معمولی کرایوں پر یہ مکانات حاصل کیے گئے۔

این جی اوز کا مفاد اس میں تھا کہ مصیبت زدگان کی تعداد زیادہ ہو۔ World Vision ،Oxfam، Save the Children ،CRS ،CARE کو یو ایس ایڈ اور پی ایل ۴۸۰ سے ملنے والے عطیات کی رقومات کا تعین بچوں یا متاثرہ افراد کی تعداد پر ہوتا تھا۔ صومالی معاشرے کی ٹوٹ پھوٹ کی ذمے دار ۹۰ کے عشرے کے اوائل کی غیر معمولی غذائی امداد تھی۔ قحط افریقہ کے لیے نئی چیز نہیں۔ مقامی طور پر اس کا مقابلہ کیا ہی جاتا تھا۔ اب صومالیہ کا مکمل انحصار غذائی اشیاء کی درآمد پر ہوگیا۔ یہ انحصار ۳۳ فی صد سے بڑھ کر ۶۳ فی صد اور پھر اس سے بھی زیادہ ہوگیا۔ غذائی اجناس کی قیمتیں کم ہونے سے مقامی کاشتکاروں نے فصلیں کم کر دیں۔ مقامی لوگوں کے لیے بھی پناہ گزینوں کے مراکز کے سامنے قطار لگانا آسان تھا۔ ایک صومالی عبدالرحمٰن عثمان نے شاکی انداز میں کہا: "خوراک کے لیے امداد نے ہمارے سسٹم کو تباہ کر دیا۔ ہم کبھی بھی غذائی امداد کے محتاج نہ تھے لیکن ماضی میں ایک سسٹم تھا۔ دیہی لوگ شہروں میں آکر قرض لیتے جو اچھے وقتوں پر ادا کر دیتے"۔

اصل ضرورت مندوں تک کتنی امداد پہنچتی تھی؟ ۱۹۹۴ میں Save the Children کے لیے دیے گئے ڈالروں میں سے فیلڈ میں کل ۱۵۴ء۴ ملین ڈالر پہنچے۔ اس کا نصف، دوسری تنظیموں کو دیا گیا جن کے اپنے تنخواہوں کے اور دیگر اخراجات تھے۔ اس طرح اصل کا بہت کم فی صد اصل مقصد کے لیے صرف ہوا جب کہ سب منصوبے بھی مفید اور مناسب نہیں تھے۔

افریقہ میں خاندانی نظام کی وسعت اور استحکام کی وجہ سے کوئی "یتیم" نہیں ہوتا۔ جس بچے کے اپنے والدین نہ ہوں اسے کوئی چچا، پھوپھی، کوئی تایا زاد، کوئی دور کا رشتے دار بطور سرپرست مل جاتا ہے لیکن ایک ملک ... پ یتیموں کی تلاش میں پہنچ گیا۔ انھیں اجازت دی گئی کہ وہ جو یتیم پائیں لے جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۰' ۴۰ یتیم جمع کیے گئے اور قبیلے کے بڑوں کے احتجاج کے باوجود انھیں ٹرک میں ڈال کر موگا دیشو میں کسی یتیم خانے میں لے گئے۔

کچھ بھی کہا جائے' اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صومالیہ میں بین الاقوامی برادری نے ۳ء۵ ارب ڈالر خرچ کیے لیکن کچھ بھی حاصل نہ کیا۔ روانڈا میں نومبر ۹۶ میں زائرے کے بحران سے قبل تک جس میں ۶ لاکھ ہوٹو واپس روانڈا پہنچ گئے' مہاجر کیمپوں پر روزانہ ایک ملین ڈالر خرچ ہو رہے تھے۔ اب تک ۹۰۰ ملین ڈالر خرچ ہو چکے ہیں لیکن نتیجہ؟

دراصل مسائل کا اصل حل یہ ہے کہ بحران کو پیدا ہونے سے روکا جائے نہ کہ بیٹھ کر انتظار کیا جائے کہ کب بحران پیدا ہو اور خیمے' کمبل اور بسکٹ لے کر دوڑ پڑیں۔ لیکن یہ حل خود افریقہ کے اندر سے آنا ہو گا۔ یورپ مارشل پلان کے بعد خود کفیل ہو گیا اسی طرح افریقہ میں بھی' اگر وہ اپنی خوراک خود پیدا کرے' کسی مدد کی ضرورت نہ ہو گی' جیسا کہ وہ ۵۰ کے عشرے میں کرتا تھا۔ لیکن خانہ جنگیوں' آمرانہ حکومتوں اور تباہ کن زرعی پالیسیوں نے افریقہ کی زراعت تباہ کر دی۔ خانہ جنگیاں اس لیے ہیں کہ افریقی آمر نہ تخت چھوڑتے ہیں نہ عوام کو اقتدار میں شریک کرتے ہیں۔ اگر افریقہ کے آمر' سیاسی اقتدار میں عوام کی شرکت گوارا کرتے' تو ان ملکوں کے عوام ان آفتوں سے بچ جاتے۔ ان ملکوں کی افواج نے خود اپنے ملکوں کو تاراج کیا۔ الجزائر' برونڈی' ایتھوپیا' گیمبیا' گنی' لائبیریا' نائجر' نائیجیریا' روانڈا' سیرالیون' صومالیہ' یوگنڈا' زائرے' ہر جگہ ایک ہی کہانی ہے۔ فوج نے قبضہ کیا' عوام کو بے دخل کیا' لوٹ مار کی اور ملک تباہ کر دیا۔ ایک تجویز یہ دی جاتی ہے کہ ان ملکوں سے فوج ختم کر دی جائے جیسے کاسٹاریکا میں کوئی فوج نہیں۔

ایک راستہ یہ بھی ہے کہ ان فوجی حکمرانوں کو مغرب سے مدد نہ ملے اور مغرب ان ممالک میں حقیقی جمہوری نظام سے اپنے مفادات وابستہ کرے۔ لیکن یہ ان ممالک کے عوام کا خواب اور تمنا ہو سکتی ہے' حقائق کی دنیا اور تاریخ کی کہانی کچھ دوسری ہی ہے۔ مغرب جمہوریت کا علم بردار ہے لیکن صرف اپنے لوگوں کے لیے۔

حیرت ہوتی ہے کہ پاکستان میں کسی جامعہ نے' تحقیقی ادارے نے' یا محب وطن سکالر نے امریکی اور دوسری غیر ملکی امداد اور قرضوں کے معاشی' دفاعی' تعلیمی' سیاسی اور اخلاقی صورت حال پر اثرات کا تحقیقی مطالعہ آج تک کیوں نہ کیا۔ کیا اس لیے کہ اس کے لیے امریکی امداد نہ ملی!

© rasailojaraid.com